ڈاکٹر بیگ احساس
پروفیسر و صدر شعبہ اردو،
حیدرآباد یونیورسٹی، حیدرآباد، بھارت

نصرتی کی قصیدہ نگاری

Dr Baig Ahsas

Professor, Head of Urdu Department,

University of Hyderabad, Hyderabad, India

"Qasida" of Nusrati

Qasida is a prominent genre of Urdu poetry. In early age many poets attempted it and made their contribution to enrich its Tastes. Nusrati is one of the famous one. He is a representative of Qasida in Dakkan. His Qasida's are unique in their style and theme. In this article the discussion is about Nusrati and the values of his Qasidas.

نصرتی کا نام شیخ نصرت تھا۔ اپنے نام کی مناسبت سے اس نے اپنا تخلص نصرتی اختیار کیا۔ 'علی نامہ' میں اپنے ایک دوست ابن عبدالصمد کی زبان سے اپنا نام نصرت ظاہر کیا۔ ابن عبدالصمد کہتا ہے۔

دکھن میں تو ہے آج نصرت قریں
بلند شعر کے فن کا سحر آفریں

نصرتی کے والد شاہی سلح دار تھے اور بیجاپور کی ایک ذی عزت ومقتدر شخصیت کہلاتے تھے۔ وہ عادل شاہی سلطنت کے وفادار تھے۔ ''گلشنِ عشق'' میں نصرتی اپنے والد کے بارے میں کہتا ہے۔

کہ تھا مجھ پدر سو شجاعت مآب
قدیم یک سلحدار جمع رکاب
وو شہہ کام پر زندگانی منے
کمر بستہ تھا جاں فشانی منے

نصرتی کے والد نے نصرتی کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا تھا۔ ''حسب حال خود'' میں نصرتی کہتا ہے کہ میرے والد نے میری فلاح و بہبودی اور تعلیم وتدریس میں خصوصی دلچسپی لی۔ وہ مجھ کو خود سے کبھی جدا نہیں کرتے تھے اور تربیت کی خاطر مجھے بزرگوں کی مجلس میں لے جایا کرتے میرے معلم بھی مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اس لیے میرا درس لینا انھیں کبھی گراں نہیں گزرا۔

نظر دھر کے منج تربیت میں سدا
رکھا نئیں اپس کے منجے کر جدا
سکچہ منجہ تھے جاے کوں دن تِس منے
پھرے لے بزرگاں کی مجلس منے
معلم جو میرے جتے خاص تھے
دھرن ہار اومنج سوں اخلاص تھے
نہ جاتے سبق کوں مرا یار دل
دھر ن ہار تھے پیار ہوریار دل

آگے چل کر کہتا ہے۔

کچھ یک جب سنبھالا میں اپنا شعور
گیا کر کتاباں پہ اکثر عبور

پنڈاری ناتھ رانڈے لکھتے ہیں کہ نصرتی کو مراٹھی زبان پر عبور حاصل تھا۔ ہندو کلچر اور ہندو دیومالا کے بارے میں اس کی معلومات اتنی اچھی تھیں اور ھندو فلسفے پر اتنا عبور تھا کہ سر جارج لائل کو شبہ ہوا کہ وہ پہلے ہندو برہمن ہوگا۔ نصرتی کی سن پیدائش کے بارے میں ابھی تک صحیح علم نہ ہوسکا۔ اسٹوارٹ نے اپنے کیٹلاگ میں گلشنِ عشق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں بعض تصویریں بھی موجود ہیں ایک تصویر خود نصرتی کی ہے۔ اس کے چہرے پر لمبی سفید داڑھی بھی دکھائی دیتی ہے۔ اسٹوارٹ نے اس مخطوطے کے سن کتابت کی نشان دہی نہیں کی ورنہ نصرتی کی سنِ پیدائش کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ نصرتی نے علی عادل شاہ کو اپنا ہم جلیس کہا ہے۔ غالباً نصرتی کے آباواجداد کے غیر مسلم ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نصرتی گلشنِ عشق میں خواجہ بندہ نواز کی مدح کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

بحمداللہ کرسی بہ کرسی میری
چلی آئی ہے بندگی میں تیری

عبدالحق نے نصرتی کے والد کا نام شیخ مخدوم اور دادا کا شیخ ملک لکھا ہے۔ گارساں دتاسی اور جے این چودھری بھی سری رام شرما کی تائید کرتے ہیں لیکن عبدالحق کے بیان سے ان کی تردید ہوتی ہے۔

نصرتی کو شاہی محل میں ولی عہد سلطنت علی عادل شاہ ثانی کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہوا۔ نصرتی شہزادے کا رفیق و مصاحب تھا۔ نصرتی ''گلشنِ عشق'' میں اس کا اعتراف اس طرح کرتا ہے۔

جنم خام تھا سو دکھن کا کلام
ہوا پختہ تجھ تربیت تے تمام
خصوصاً جو میں تجھ تے پایا ہوں فیض
وہیں کھول جگ میں دکھایا ہوں فیض

محمد عادل شاہ کا انتقال 1067ھ میں ہوا اور علی عادل شاہ تخت نشیں ہوا تو اس نے اپنے بچپن کے رفیق کو فراموش نہیں کیا۔ اسے ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا۔ نصرتی نے شاعری میں وہ زور طبع دکھایا کہ میاں نصرتی کہلایا۔ نصرتی کے بے پناہ حاسد تھے جو نصرتی کی شہرت سے جلتے تھے۔ نصرتی کی موت طبعی نہیں تھی۔ اسے سازش کر کے قتل کرادیا گیا۔ نصرتی کا انتقال 1085ھ میں ہوا۔

ضرب شمشیر سوں یو دنیا چھوڑ　　جاکے جنّت کے گھر میں خوش ہوا ہے
سالِ تاریخ آملا یک نے　　یوں کہی ''نصرتی شہدا ہے''

''نصرتی شہدا ہے'' سے سال وفات 1085ھ/1674ع نکلتا ہے۔

نصرتی دکن کا سب سے بلند پایا قصیدہ نگار ہے۔نصرتی نے اپنا طویل وبسیط رزمیہ 'علی نامہ' 1076ھ میں لکھا۔

لکھیا شہ کا میں جس جو یو کر اومس
ہزار ایک سو ستر پہ تھے چھ برس

'علی نامہ' علی عادل شاہ کے ابتدائی دس برسوں کے دورِ حکومت کی منظوم تاریخ ہے۔ یہ ایک رزمیہ مثنوی ہے۔'علی نامہ' میں نصرتی کے سات قصاید موجود ہیں۔علی نامہ کے ہر حصے کے شروع میں بطور عنوان ایک یا دو شعر دیے گئے ہیں۔عنوان کے یہ اشعار ایک ہی بحر اور ایک ہی زمین میں لکھے گئے ہیں اگر ان سب کو یکجا کر دیا جائے تو ایک مکمل لامیہ قصیدہ بن جاتا ہے۔علی نامہ کے ان قصاید کے علاوہ عبدالحق نے ایک ہجویہ قصیدہ اپنے گھوڑے کی مذمت میں اور ایک قصیدہ علی عادل شاہ کی مدح میں اور معراج نبوی میں کہے گیے قصیدوں کی نشان دہی کی ہے۔نصرتی کے ابتدائی دو قصاید کا پس منظر یہ ہے کہ علی عادل شاہ کے دور میں سلطنت بیجاپور کو دو خطرات کا سامنا تھا ایک تو شیواجی کی ریشہ دوانیوں کا جواب دینا دوسرے مغلیہ حکومت کے حملوں کا مقابلہ کرنا۔ادھر اناسیں گڑھ اور راے گڑھ کے قلعوں پر مرہٹوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔شیواجی کی پیش قدمیاں رفتہ رفتہ بڑھتی جارہی تھیں شمال میں اورنگ زیب نے دکنی ریاستوں کے خاتمے کا ارادہ کرلیا تھا۔شیواجی نے افضل خاں کو دھوکے سے مارڈالا تو اس کی فوجوں نے پنہالہ کا قلعہ فتح کرلیا۔افضل خاں کی موت کے بعد حکومت کے معتمد خاص صلابت خاں کو شیواجی کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔لیکن اس نے حکومت کے خلاف سازش کر کے شیواجی سے خفیہ معاہدہ کرلیا۔صلابت خاں کی سرکشی دیکھ کر علی عادل شاہ نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور 1660ء میں پنہالہ کا قلعہ پوری طرح عادل شاہیوں کے قبضے میں آ گیا۔صلابت خاں کو شکست اٹھانی پڑی اور شیواجی نے راہِ فرار اختیار کی۔

نصرتی نے قصیدہ نمبر(۱) پنالہ گڑھ میں سب سے پہلے تلوار کی تعریف کی۔

جب تے فلک دیکھیا ادک سورج تری تروار کا
تب تے لگیا تھر کاپنے ہو پر عرق یکبار کا

اس کے بعد نصرتی شیواجی کو باغی' مکار' کج رفتار' کج باز اور عیار بتایا اور شیواجی کی چالبازی پر سخت تنقید کی۔پھر اس نے قلعہ پنہالہ کی مضبوطی کا ذکر کیا۔

تھا یکہ یک او جگ منے اوگڑ پنہالے کا بلند
تھمنے دھرت لنگر ہے ہورا نبر کوں تھانب آدھار کا

اس قصیدہ میں نصرتی نے جنگ کا حال بڑی خوبی سے پیش کیا۔نصرتی ممدوح کے گھوڑے اور مال کی بھی تعریف کرتا ہے۔بادشاہ کی فتح مندی کے ساتھ واپسی پر اس کے استقبال کا حال بھی لکھا ہے۔یہ قصیدہ ایک سو پینسٹھ(165) اشعار پر مبنی ہے۔قصیدہ حسب روایت دعا پر ختم ہوتا ہے۔

اے نصرتی مشغول ہو شہ کی دعا کے ورد میں
کافی ہے دو جگ میں تجے مل فیض تس آثار کا

نصرتی کا دوسرا قصیدہ ''فتح بادشاہ غازی وشکست جوہر صلابت'' کا موضوع بھی جنگ ہے۔یہ قصیدہ پچپن اشعار پر مشتمل ہے۔یہ قصیدہ نسبتاً مختصر ہے۔اس قصیدہ میں علی عادل شاہ کی تعریف کی گئی۔پھر صلابت خاں سدی جوہر کی مذمت کی گئی

کہ اسے علی عادل شاہ نے سرفراز کیا لیکن اسے دولت راس نہ آئی۔اور چمٹی کے پر نکل آئے۔

تیسرا قصیدہ ''بادشاہ غازی بیجاپور کو آنے کا'' ہے قلعہ پنہالہ کی فتح کے بعد صلابت خاں کی موت کے بعد بادشاہ کی واپسی کا بیان ہے۔

جب شہ کھڑگ کے آب سوں آگ فتنے کی بوجا
دارالخلافہ کی طرف چلنے کیا عزم آور ی

چوتھا قصیدہ ''قصیدہ ٹھنڈ کی تعریف کا لکھا ہے'' یہ قصیدہ منظر نگاری کا عمدہ نمونہ ہے۔اس میں 23 اشعار ہیں۔احوال کی ٹھنڈک کا ذکر کرتے ہوے نصرتی کہتا ہے کہ آگ دنیا سے رخصت ہوجاتی لیکن عاشقوں نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے۔اگر ان دنوں آگ کہیں ہے تو وہ عاشقوں کے دلوں میں ہے۔

بیشک وطن اس جگ تے سٹ جاتی اگن ہوے نشان
گر دل میں اپنے عاشقاں دیتے نہ اس کوں ٹھار آج

اس قصیدے سے قبل والے قصیدوں میں ہمیں گریز نہیں ملتا۔لیکن اس قصیدے میں موسم کی عکاسی کرتے ہوئے نصرتی نے گریز کا استعمال کیا ہے۔

ہوں میں تو بے ساماں ادک دشمن تو ہے بھاری اٹل
پانے سلاح اس جنگ کوں شہ کا دھروں دربار آج

اس کے بعد علی عادل شاہ کی مدح میں شعر کہتا ہے۔آخر میں سردی کی کیفیت بتانے کے لیے کہتا ہے کہ میں ہوا کی صفت اور تفصیل سے بیان کرتا لیکن سردی کے مارے منہ سے الفاظ نہیں نکلتے:

میں اس قصیدے میں صفت کہتا ہوا کی لئی ولے تس ٹھنڈ سوں مک میں تے پٹ نکلے نہ چک گفتار کا

پانچواں قصیدہ ''بادشاہ بیجاپور کوں آکر جشن کئے سن'' ہے۔قصیدہ کی ابتدا تشبیب سے ہوتی ہے۔

چندنی بھیس سب صاف ہویوں عکس تاریاں کا دِسے
چونے میں جوں ابرک کلا پیسے ہیں ساری دھرتری

پھر نصرتی گریز کرتا ہے کہ یہ ساری رونق آرائش وزیبائش اس لیے ہے کہ بادشاہ شہر میں گشت کے لیے آرہے ہیں۔

شہ شہر گشت آتا سکر حاکم جو تھا جو شہر کا
چوندھیر میخانہ کیا رونق سوں دے جلوہ گری

اس قصیدے میں عادل شاہی تہذیب کا بیان شہر کی آرائش کا ذکر'لوگوں کا بادشاہ کو تحائف پیش کرنے کا حال لکھا ہے۔شاعر کہتا ہے میرا تحفہ دعائے نیک ہے پھر اپنا مدعا رکھتا ہے کہ

پن کیا کروں اے شاہ میں کئی بات بے سامان ہوں
اول تو ایسا گھر نہیں جاں ٹھار ہو، راحت بھری

وہ کہتا ہے میرا گھر چھوٹا ہے میرے ہمسایہ ایسے ذلیل بداخلاق اور گنوار ہیں کہ گالیاں بکتے ہیں مجھے ایک اچھا سا مکان عنایت ہوتا کہ میں آرام سے رہ سکوں۔نصرتی کے قصاید میں بڑا تنوع ہے کبھی وہ فتح پنہالہ پر کبھی بادشاہ کی شہر گشت پر' کبھی موسم کی کیفیت پر قصیدے لکھتا ہے۔صنفِ قصیدہ پر اسے پورا عبور حاصل ہے۔ان قصاید کے رزمیہ مزاج نے ان میں ندرت اور اچھوتا پن پیدا کر دیا ہے۔اردو قصاید میں تاریخ اور ادب کا ایسا خوب صورت امتزاج بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔نصرتی کے قصاید میں قصیدہ گوئی کے تمام لوازم ومحاسن موجود ہیں رفعت تخیل' پرزور بیانات تشبیہات واستعارات کی ندرت ومعنی آفرینی اور

قادرالکلامی نے ان قصیدوں کو بلند پایہ اور وقیع بنادیا ہے۔نصرتی کے قصاید میں حقیقت پسندی ہے۔وہ اپنے عہد کی سچی تصویر کھینچتا ہے۔قصیدہ نگاری میں نصرتی کا رزمیہ طرز بھی ایک انوکھی شان رکھتا ہے۔

علی نامہ کا چھٹا قصیدہ ''عاشور کے ماتم میں'' ہے۔اس قصیدے میں اس نے اپنے عہد کے عوامی عقائد اور اہل بیت اطہار سے بادشاہ اور اس کی رعایہ کی عقیدت کی عکاسی کی ہے۔یہ قصیدہ علی عادل شاہ کے عقاید کی مناسبت سے لکھا گیا۔اس قصیدے میں حمد اور نعت بھی ہے۔اس قصیدے میں بڑا خوب صورت تسلسل ہے نصرتی کہتا ہے خدا نے کائنات بنائی۔اسے سجایا سنوارا لیکن یہ باغِ جہاں کبھی تر وتازہ نہ ہوتا اگر احمد مختار نے اس کی آبیاری نہ کی ہوتی۔

دیکھو کہ نت یو تازہ بن ہرگز نہ ہوتا جلوہ گر
پانی نہ دیتا نورِ اول گر احمدِ مختار کا

پھر وہ حضورؐ سے حضرت علیؓ کی نسبت کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے حضور نے اپنی امت کو تمام جواہر بخش دیے لیکن صرف ایک پیار کا خزینہ پوشیدہ رکھا۔

سواد علیِ مرتضیٰؓ ہمزاد پیارا مصطفیٰؐ
جس کوں ولایت دے خدا کہتا ہے گنج اسرار کا

خاتون جنت کی حمد وثنا کرتے ہوے دونوں فرزندوں کا ذکر کرتا ہے جو شباب اہلِ جنت ہیں۔اس قصیدہ میں نصرتی نے عبداللہ قطب شاہ کی بہن اور محمد قطب شاہ کی بیٹی اور محمد عادل شاہ کی رفیقہ حیات خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم جن کی آغوش میں علی عادل شاہ کی پرورش ہوئی تھی ان کا ذکر کرتا ہے۔خدیجہ سلطان جو''بڑے صاحب'' کہلاتی تھیں جو حج سے مشرف ہوی تھیں' بیجاپور میں ایک امام باڑہ حسینی محل کے نام سے تعمیر کروایا تھا۔نصرتی نے اس حسینی محل کا موثر نقشہ کھینچا۔وہ کہتا ہے خدیجہ سلطان نے جو حسینی محل تعمیر کیا اس کا چرچہ فردوس میں گونج رہا ہے۔

باندے ہیں یو صاحب بڑے ایسا حسینی یک محل
فردوس کے ہر قصر میں ہے ناوں جس معمار کا

نصرتی نے محرم کی تفصیلات قلم بند کی ہیں۔حسینی محل کی مرقع کشی کرتے ہوئے اس نے دکن کی گنگا جمنی تہذیب کی ترجمانی کی ہے۔نصرتی کے قصاید کا یہ تہذیبی پہلو اہمیت کا حامل ہے۔

نصرتی کا ایک اور قصیدہ فتح ملنار پر ہے۔یہ قصیدہ طویل ہے اور اس کے اشعار کی تعداد 220 ہے۔یہ علی نامہ کا ساتواں اور آخری قصیدہ ہے۔جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

''''بیان کی رچاوٹ' شوکت وشکوہ ترتیب اور قوتِ بیان کے باعث نصرتی کا شاہکار ہے۔اس قصیدے میں نصرتی نے مختصر الفاظ میں معنی کا دفتر بھر دیا ہے۔''(۱)

نصرتی نے ملناڑ کے معرکے کو بیان کیا ہے۔ابتداء میں وہ بارش کی تصویر کشی کرتا ہے جس کی وجہ سے بادشاہ کو کئی دن اپنی 'چھاونی' میں اچھے موسم کا انتظار کرنا پڑا۔بہاریہ مضامین سے وہ اصل موضوع کی طرف آتا ہے۔اس کے بعد وہ قلعے پر عادل شاہی افواج کے حملے کا نقشہ کھنچتا ہے۔قلعے کے اندر داخل ہونا ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ڈاکٹر زورؔ نصرتی کے قصاید کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''ان میں میدانِ جنگ کا حال قوموں کی خصوصیت بیجاپور کے افسروں اور سپہ سالاروں کے کردار۔۔مختلف واقعات کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ نصرتی کو اردو کا بہترین قصیدہ نگار کہنے پر مجبور ہیں۔''(۲)

اس قصیدے میں مناظر قدرت کی منظر کشی اور جنگ کی مرقع کشی کے امتزاج نے اسے دلچسپ اور دلنشین بنادیا ہے۔عبدالحق

نصرتی کے اس قصیدے میں باغ کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس کی تعریف کرتے ہیں۔ باغ کی تصویر کشی میں خوب صورت تشبیہات، بامعنی کنائے، بلیغ اشارے، دلکش استعارے اس کے صوری اور معنوی حسن کو نکھارتے ہیں۔ نصرتی کہتا ہے۔

چلیں باد صفا تے خوش صفا پانی پہ موجاں یوں
کہ جیوں محبوب کے مکھ پہ ڈھلک زلف مسلسل کا
فلک سقائے خضری ہو پلاوے نیر سو جگ کوں
سورج کے جام سوں بھرتا ہے نت واں مشک بادل کا
خمیاں ڈالیاں تے دستے یو کنول پانی سوں چشمیاں میں
رُوپے کی آرتی کے جیوں چمک پر اوٹ آنچل کا

نصرتی مظاہر قدرت کا ایک اچھا مصور ہے۔ شخصی واقفیت، جزئیات نگاری اور اپنی سرزمین سے محبت نے نصرتی کے پیش کردہ مناظر کو موثر اور حقیقت پسند بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اس قصیدے کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''علی نامہ کا سب سے طویل قصیدہ فتح ملناڑ کی مبارک باد میں لکھا گیا ہے۔ اس میں نصرتی نے فوج کی روانگی سے لے کر بادشاہ کی فتح تک تمام واقعات سپرد قلم کیے ہیں۔ ابتدا اور درمیاں میں بادشاہ کی مدح کرنے کے علاوہ دوسرے مطلع میں تعریف باغ کے موضوع پر بھی زور طبیعت صرف کیا ہے۔''(۳)

ڈاکٹر محمود الٰہی نے بھی اس قصیدے کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے۔ انھوں نے نصرتی کا تقابل فارسی کے قصیدہ گو شعرا عنصری اور فرخی سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''فتح ملناڑ پر نصرتی نے ایک طویل قصیدہ لکھا ہے یہ جتنا طویل ہے اتنا ہی پر شکوہ اور پر وقار بھی۔ اس قصیدے سے عنصری اور فرخی کے رزمیہ قصائد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے''۔(۴)

نصرتی نے ''ٹھنڈ کی تعریف کا لکھنا'' میں فصل زمستاں، کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا وہ زیادہ طویل نہیں ہے اس کے باوجود اس میں مقامی رنگ، ہندوستانی فضا اور پر اثر محاکات نے اس قصیدے کو اردو کی منظریہ شاعری کا اچھا نمونہ بنا دیا ہے۔

شبنم جو اجلا چھاچ سا آشیر سے جل میں پڑ یا
ہر بائیں ہوئی ہے دھیں ہنڈی جم نیر سب یکبار آج
دیکھے نہ جوں جوں ٹھنڈ تے کس یک کلی کوں خندہ رو
نغمے بسر جا بلبلاں ہر بُن میں ہیں بے کار آج

نصرتی نے اپنی شاعری کے موضوعات عرب اور عجم کے بجائے بیجاپور سے منتخب کیے اور یہاں کی تہذیبی روایات کی عکاسی کی ہے۔

مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''نصرتی'' میں کچھ اور قصیدوں کی نشاندہی کی ہے۔ جس میں ایک ہجویہ قصیدہ ہے جس کو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے اس قصیدے میں نصرتی پہلے شعر ہی سے اپنے مخالفین کی ملامت کرتا ہے انھیں ہرزہ گویاں، غبی، خر، خبیث، منافق، خام طفلاں، کور طبعاں اور کم ذات کہتا ہے وہ اپنے مخالفین کو حاسد کہتا ہے جو اس کی عظمت سے جلتے ہیں اس قصیدے میں اس نے ریختی گوئی کو ''اوئی کی بولی'' سے تعبیر کیا اور ہاشمی پر طنز کیا جنھیں ریختی گوئی میں کمال حاصل تھا۔

میرا کیا یار چنچل ہے کتی ہے ریچھ کر جو توں
دیے ہیں ہاشمی عزت ہماری اوئی کی بولی کوں

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اردو میں ابتداء ہی سے شعرا کے درمیان معاصرانہ چشمک رہی ہے۔ مولوی عبدالحق نے ایک طولانی

قصیدے کا ذکر کیا ہے جو 134 اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں معراجِ نبوی کا بیان ہے۔ عبدالحق اسے چرخیات میں شمار کرتے ہیں جمیل جالبی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''یہ قصیدہ جوش، عقیدت، اندازہ بیان، تخیل و معنی آفرینی۔۔۔ خوب صورت بحر کی وجہ سے ایک شاہکار قصیدہ ہے۔۔۔ اس میں الفاظ اصطلاحات چرخ سے متعلق لائی گئی ہیں اور نفسِ مضمون ان ہی کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔''(۵)

نصرتی کا ایک اور قصیدہ ''گھوڑا مانگنے کی درخواست'' کے موضوع پر ہے۔ نصرتی کے قصائد کا مطالعہ کیا جائے تو جو نتائج اخذ ہوتے ہیں وہ یہ کہ نصرتی فنِ قصیدہ نگاری سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا ہے کہ قصیدہ شاندار پرشکوہ اور بلند آہنگ طرز اظہار کا متقاضی ہوتا ہے۔ لب و لہجے کی گونج اور باوقار اسلوب سے قصیدے کی مخصوص فضا تیار کی جاتی ہے۔ قصیدہ نگار کو ایسے الفاظ کا انتخاب کرنا ضروری ہے جو اس کے پروقار اور پرتمکین ابلاغ سے ہم آہنگ ہوں۔ نصرتی کہتا ہے کہ اس نے اپنے قصاید کے لیے منتخب قافیے برتے ہیں۔ وہ زورِ طبع کو قصیدے کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ وہ رفعت خیال، ندرت مضامین اور جدت فکر کے ساتھ نزاکت اور لطافت کا بھی قائل ہے۔ وہ محنت اور دقت نظر اور فہم و فراست کے بغیر شاعری کے میدان میں قدم رکھنے کو ایک شوق فضول سمجھتا ہے۔ شاعری کے لیے طبعی مناسبت اور وجدان کی رہبری بھی ضروری ہے۔

نصرتی تشبیہات اور استعارات کا بادشاہ ہے اس نے صنعتوں کا بڑا خوب صورت استعمال کیا ہے۔ نصرتی کو اپنے فن پر فخر تھا۔ وہ ایک طرح سے چیلنج کرتا ہے۔

دس پانچ بیت اس دھات میں کہے ہیں تو شوقی کیا ہوا
معلوم ہوتا شعر اگر کہتے سو اس بستار کا
سیوٹ ہنرمندی کے فن کہتے قصیدہ ہوے عیاں
کرنا ہے ٹھارے ٹھار ادا کیوں لازمہ اشعار کا

نصرتی کو اس بات کا احساس ہے کہ اس نے دکنی جیسی زبان میں کمال پیدا کیا جسے لوگ حقیر سمجھتے ہیں۔

اول کے اگر لوگ بر نا وپیر
کہتے تھے کہ ہے شعرِ دکنی حقیر

نصرتی کہتا ہے کہ اس نے ہندی اور فارسی کی خوبیوں کو برت کر دونوں زبانوں کی خوبیوں سے فیض اٹھایا ہے۔

معانی کی صورت تے ہو آرسی
کیا شعر دکھنی کوں جیوں فارسی
فصاحت میں گر فارسی خوش کلام
دھرے فخر ہندی بچن پر مدام
دیگر شعر ہندی کے بعضے ہنر
نہ سکتے ہیں لیا فارسی میں سنور
میں اس دو ہنر کے خلاصے کوں پا
کہا شعر تازہ دونوں فن ملا

نصرتی کے عہد تک دکنی زبان نے ترقی کی منزلیں ضرور طے کی تھیں لیکن ابھی اس کے لفظی خزانے میں وسعت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ متنوع مضامین کے ترسیلی پیکروں کا احاطہ کر سکے اس لیے نصرتی نے فارسی آمیز تراکیب استعمال کیں۔

صاحب دین ودل، مالک ملک وملل، عالمِ علم وعمل، عامل نص سنن، معدنِ جود وسخا، منبع لطف وعطا، حامئ دینِ بادِنا، ماحی کفر وکہن، صاحب فضل وہنر، صف شکنِ بحر وبر، مجاء فتح وظفر، باریٔ شمشیر زن وغیرہ۔ نصرتی کے قصاید کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں اپنے بادشاہ کی تعریف وتوصیف کا جہاں کوئی جواز نہیں نصرتی شاعرانہ تعلّی سے کام لیتے ہوے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بادشاہ کی دین اور مہربانی کہہ کر مدح کا بہانہ ڈھونڈھ نکالتا ہے۔ معراج نبوی کے بیان میں بظاہر بادشاہِ وقت کا ذکر بے محل معلوم ہوتا ہے لیکن ظل اللہ کی تعریف سے نہیں چوکتا۔ اسی طرح ہجویہ قصیدے میں بھی وہ مدح کا جواز ڈھونڈھ لیتا ہے۔ نصرتی نے میر اور غالب سے قبل اپنے گھر کی ہجو کی ہے۔

پن کیا کروں اے شاہ میں کئی بات بے سامان ہوں
اول تو گھر ایسا نہیں جاں ٹھار ہو راحت بھری

نصرتی نے سب سے پہلے ہجو یہ قصیدہ ''ہجو سخنور'' لکھا۔ نصرتی نے حسینی محل کے دیواروں اور چھتوں کی پینٹنگ کی تفصیلات میں وانر سیتا جی کے ساتھ دکھائے ہیں کہیں لنکا میں رام اور ہنومان کی تصویریں ہیں کہیں بندراین اور کہیں دوارکا ہے جس کو دیکھ برہمن ڈنڈم کرتا ہے۔

تصویر کی مہیناں پہ یوں وانر دسیں سیتا سوں جیوں
کہتا ہے کچہ لنکا میں جا ہنومنت رام اوتار کا
ہریک صنم کا روپ جب یک آفتاب آیا نظر
کرنے لگیا ڈنڈم وہاں ہر برہمن زنارکا

نصرتی نے عرب وعجم کے بجائے ہندوستان بلکہ بیجاپور کی عکاسی کی۔ مناظر میں سور، لگن، دھرتری، چندر، چندنی، پون، پھول، کہکشاں اور کنول کا وہ بار بار استعمال کرتا ہے۔

نصرتی نے قلعے، جنگ کے میدان، باغ، محل، امام باڑے، مکانات، حسینوں کی محفلیں، رقاصوں کے ناچ، روشنی کے انتظامات، چراغاں، مجلس آرائی، بادشاہ کو نذریں گزارنے، موسم کی کیفیت، یوم عاشورہ کے اہتمام، بزم عزا، ہتیاروں کی تفصیل کچھ اس فن کاری سے بیان کی ہے کہ اس زمانے کا عہد ہمارے سامنے سانس لینے لگتا ہے۔ نصرتی کے قصاید اتنے بلند پایہ ہیں کہ بساتین السلاطین میں محمد ابراھیم زبیری نے انھیں خاقانی کا مدمقابل قرار دیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''سارے دکنی ادب میں اتنے بلند پایہ اور فارسی کے معیارِ سخن کے مطابق قصیدے ہمیں کسی دوسرے شاعر کے یہاں نظر نہیں آتے بحیثیت مجموعی اردو قصاید کے ذکر میں جہاں ہم سودا اور ذوق کا اب تک نام لیتے آئے ہیں وہاں مولانا نصرتی کا نام ان کے ساتھ نہیں بلکہ ان دونوں سے پہلے لینا چاہیے۔'' (۶)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نصرتی اردو کا بڑا قصیدہ نگار ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ص 346
۲۔ اردو شہ پارے ص 67
۳۔ اردو میں قصیدہ نگاری ص 69
۴۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔ ص 147
۵۔ تاریخ ادب اردو، جلد اول ص 347
۶۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ص 347